تعارف

(اس شمارہ کے شرکاء)

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ——— ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

ڈاکٹر لیئق بابری ——— ڈائرکٹر، قومی ادارہ برائے السنۃ اسلام آباد

ڈاکٹر احمد حسن ——— ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

کیپٹن محمد حامد ——— پی ایم اے کاکول۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی ——— شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور

اختر راہی ——— لیکچرار گورنمنٹ کالج مری

نواب زادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی ——— بلوچستان

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نظرات

انسانی روح کا بحران اور مکتوب مکہ

ادھر چند سالوں سے امریکہ اور مغرب کے ملکوں میں مہارشی کی 'روحانی تحریک' کا بڑا غلغلہ ہے۔ نوجوان نسل اور دوسرے لوگ اس سے گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جینوا میں اس تحریک نے ایک یونیورسٹی بھی کھول رکھی ہے۔ اس تحریک کا بنیادی نقطہ تاملات[1] (Meditations) ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ اس کے روحانی مشورے پر عمل کر کے انسان سکون حاصل کر سکتا ہے، اور دل و دماغ کی ژولیدگی اور پریشانی صفائی میں بدل جاتی ہے۔ اس تحریک کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود بعض مسلمان بھی اس سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں رابطہ اسلامی کے سیکرٹری نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں، جو مولانا کوثر نیازی، وزیر برائے امورِ مذہبی کے نام ہے، اس اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ کہیں یہ تحریک مسلمانوں کو ان کی اپنی روایات سے دور نہ لے جائے۔ سیکرٹری موصوف نے جس جذبے کے تحت وزیر موصوف کو خط لکھا ہے، ہمیں اس کا پوری طرح سے احساس ہے، اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلم دنیا پاکستان سے کیا کیا توقعات رکھتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ ہمیں اس قسم کی وقتی تحریکوں سے مطلقاً

---

[1] ۔ بعض لوگ تاملات کی بجائے لفظ مراقبہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے 'مراقبہ' سے وابستہ مقدس صوفیانہ روایات کے پیشِ نظر اسے یہاں استعمال نہیں کیا۔ (مدیر)

خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ نہ صرف ان کا بلکہ خود اپنا بھی جائزہ لینا چاہیے کیونکہ ایک نظریہ کا خواہ وہ ہماری نظر میں مہمل ہی کیوں نہ ہو، جواب نظریہ ہی سے دیا جا سکتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ ہم نظریات کا پہلے خود مطالعہ کریں۔ خود امریکہ میں اس تحریک پر مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ اور عقلی و علمی بنیادوں پر اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تجزیے نے یہ بتایا ہے کہ جو لوگ بدھ فکر سے متاثر ہوئے ہیں وہ عملی زندگی میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہو گئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے امریکی نظام کا تختہ اُلٹنے کے لئے کوئی نیا نظام وضع کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ یومیہ سرگرمیوں میں مزید متحرک اور منظم ہو گئے ہیں۔ گویا کہ وہ امریکہ کے موجودہ نظام کے دفاع میں پہلے سے زیادہ چاق و چوبند ہو گئے ہیں۔ مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاملات (Meditations) خواہ اس میں کسی قسم کا ورد نہ بھی ہو، بذات خود سکون عطا کرتے ہیں۔ امریکہ میں اس تحریک کا کامیاب ہونا ہمارے نزدیک ایک فطری بات ہے اور عین قرینِ قیاس، کیونکہ مغرب میں انسان مشین کا غلام بن چکا ہے، اور صنعتی انقلاب نے اسے خدا سے یک قلم دور کر دیا ہے۔ مادی مسرتوں کی منزل کو پالینے کے بعد انسان نئی منزل کی تلاش میں ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور انسانی فکر کے قدم ایک مقام پر جا کر رک جائیں تو پھر یہ دنیا دنیا نہیں رہے گی۔ چنانچہ مادی دنیا میں سب کچھ پالینے کے بعد بھی اسے احساس ہے کہ اس کی روح میں ایک خلا ہے جسے پُر کرنے کے لئے وہ کسی متاع گم شدہ کی تلاش میں ہے۔ چنانچہ روح کی یہی ویرانی ہے، جس نے اسے مہارشی کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے، جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی روح کو سکون عطا کر سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندو اور بدھ ازم کے نزدیک انسانی تہذیب کا بنیادی نقطہ زندگی کا اثبات نہیں، نفی ہے۔ نیز یہ کہ ان دونوں مذاہب کی نگاہ اس جہانِ رنگ و بو کی بجائے انسان کی باطنی زندگی پر مرکوز رہتی ہے۔ ان دونوں کا یہ نقطہ نظر صدیوں سے دنیا میں موضوعِ سخن بنا رہا ہے۔ خود مغرب کے معروف لوگوں نے ہندوستان کی قدیم تہذیب کا جب بھی ذکر کیا تو عالمی تہذیب اور زندگی کے بارے میں عیسائیت کے موجودہ موقف کے مقابلے میں حریف کی حیثیت سے ذکر کیا۔ ہندو دھرم اور بدھ مت کا ذکر کرتے ہوئے البرٹ شوائٹزر (A. Schweitzer) لکھتے ہیں:

"برہمن ازم، بدھ مت اور شوپن ہارد کے فلسفے میں دنیا کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ زمان و مکاں میں

متحرک زندگی کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ اس لئے اس کا خاتمہ ضروری ہے[۲] ایک اور مقام پر شوائٹزر رکھتے ہیں:

"ہندوستان میں ہندوازم کی قنوطیت کی روایت کا تسلسل برابر قائم رہا، اس کے برعکس سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں صدی کے زبردست عیسائی مفکرین نے عیسائیت کی روایت کو توڑ دیا، چنانچہ ہندوازم نے اپنے اخلاقی رجحانات کے باوجود ان علاقوں میں جہاں اسے فروغ حاصل ہوا، عیسائیت کے مقابلے میں کسی بہتر اور مکمل تہذیب کے لئے کام نہیں کیا۔"[۳]

مغرب نے اس صدی کی دو خوفناک عالمگیر جنگوں سے تنگ آکر دوسری تہذیبوں، خاص طور پر ان کی اخلاقی اور روحانی قدروں سے، دلچسپی کا اظہار کیا اور ان سوالات کو جاننے کے لئے کیا خدا موجود ہے؟ اس کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے؟ دنیا کے بڑے انسانوں نے، مشرقی ہو یا مغربی، خدا اور اس کی مخلوق کے بارے میں کیا سوچا؟ دوسری تہذیبوں کا رُخ کیا۔[۴] ظاہر ہے، جب ہندو تہذیب مغربی تہذیب کی حریف ٹھہری جیسا کہ خود مغرب کے مفکرین نے لکھا، تو مغربی انسان کا اپنی تہذیب سے اکتا کر ہندو تہذیب، جو ان کے ہاں روحانی قدروں کی ایک علامت بن گئی ہے، کی طرف مائل ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ چنانچہ مہارشی کی تحریک کی مقبولیت کا یہی راز ہے کیونکہ مہارشی نے "یوگا" اور "تاملات" کے ذریعہ آدمی کو مادی دنیا کی غلامی سے آزاد کرانے کا دعویٰ کیا، اور بتایا کہ وہ انسان کو شعور کے ایسے مقام پر لا سکتا ہے جہاں پر آدمی حواسِ خمسہ کی گرفت سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسری جنگ کے خاتمہ پر پوری مسلم دنیا کی اخلاقی، ثقافتی اور روحانی زندگی انحطاط کی نذر ہو چکی تھی، اور خود مغرب اسلام کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھا اس لئے وہ روحانی قدروں کی تلاش کے لئے اسلام کی طرف نہیں آیا۔ حالانکہ اسلام تاریخ مذاہب میں شاید پہلا مذہب ہے جس نے مادی اور روحانی قدروں کا یکساں طور پر خیال رکھا۔ اگر ان دونوں اصطلاحوں، (مادی اور روحانی اقدار) کا سہارا لینا ضروری ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا مادی فلسفہ زندگی کے اثبات کا قائل ہے، اور روحانی فلسفے میں خدا کی ذات بنیادی

۲-۳ - ملاحظہ ہو میری زندگی اور فکر (My Life and Thought) لندن ۱۹۶۶ء

۴ - آربری کی معروف کتاب 'صوفی ازم' لندن کا مقدمہ۔

حیثیت رکھتی ہے. وہ مادی اور روحانی قدروں کا اصل سرچشمہ ہے۔ چنانچہ ایک طرف اسلام کا تاریخ سے یہ عہد (Commitment to History) ہے کہ وہ اس کے تقاضوں کو پورا کرے گا، دوسری طرف وہ نہ صرف انسان کی روحانی اقدار کی ترقی کا داعی ہے۔ بلکہ ان کے حصول کو زندگی کا اعلیٰ نصب العین قرار دیتا ہے۔ افسوس اکہ اسلام کا یہ مثالی مؤقف سمجھنے میں لوگوں نے اکثر ٹھوکر کھائی۔ انسان اور تاریخ سے کئے گئے وعدوں کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ اسلام کا بلند روحانی قدروں سے کوئی خاص تعلق نہیں اور دوسری طرف جن لوگوں نے اسلام کی روحانی قدروں کو آگے بڑھانے میں حیرت انگیز حد تک کام کیا۔ ان کی نظر سے تاریخ سے اسلام کا عہد اوجھل رہا۔ عجیب بات ہے کہ خود شوائٹزر جیسا بلند کردار آدمی اسلام میں تصوف کے رجحان کو تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ کہتا ہے کہ اسلام عالمی سطح پر بنی نوع انسان کو کوئی گہری سوچ نہ دے سکا ؂

بہر نوع تاریخی طور پر مسلمان کا یہ عقیدہ صحیح ہے کہ موجودہ وقت میں دنیا کی ساری تحریکیں خواہ وہ روحانی ہوں یا دنیاوی۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے مکمل نہیں ہیں، جو جسم اور روح دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں۔ مثلاً کمیونزم جو شاید پہلی بین الاقوامی منظم تحریک ہے جو انسان کی اجتماعی فلاح و بہبود کا دعویٰ لے کر اٹھی ہے۔ ہر چند اس کی راہ اسلام کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن اس کا یہ دعویٰ کہ اس نے تاریخ سے عہد و پیماں باندھا ہے۔ اسلام کے تاریخی دعویٰ (Commitment to History) سے مماثلت رکھتا ہے لیکن کمیونزم ماورائیت روحانیت کا قائل نہیں۔ دوسری طرف روحانی تحریکیں ہیں، خواہ ان کی پشت پر کوئی بھی مذہب ہو، جو بنیادی طور پر ایسی قدروں کی داعی ہیں، جن کی بنیاد عقل پر نہیں، مزید یہ کہ یہ قدریں ذاتی تجربے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ماورائی تجربے اس قدر لطیف ہوتے ہیں کہ الفاظ ان کی تشریح سے عاجز ہیں۔ الفاظ اور نظریے کی حد تک دوسرے مذاہب کی روحانی قدریں اسلام کے روحانی پہلو سے ضرور مماثلت رکھتی ہیں لیکن ان مذاہب کے اصولوں میں تاریخ سے عہد، کا کوئی اصول نہیں، مزید یہ کہ روحانی قدروں کے بارے میں اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں روحانی قدروں کا رشتہ کبھی خدا کی ذات سے منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ یہاں اس امر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس کے برعکس یوگا (Yoga). میں وہ آدمی بھی حصہ لے سکتا ہے جو خدا پر یقین نہیں رکھتا۔ جواہر لال نہرو، جو فرقہ لا ادریہ سے تعلق رکھتے تھے

؂ میری زندگی، ص ۱۵۱

یوگا کے عامل تھے۔ البتہ عیسائیت نے روحانی قدروں کے بارے میں جو بلند تخیل قائم کیا ہے، مسلمانوں نے اسے ہمیشہ سراہا ہے۔ حضرت مسیح کے سچے پیروکاروں کے دلوں میں جو لطافت اور رقت پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے اس کی تعریف کی ہے۔ لیکن مغرب کے سامراجی نظام نے مجموعی طور پر نہ صرف ان روحانی قدروں سے اپنا تعلق توڑا، بلکہ کھل کر خدا سے بغاوت کی۔ نطشے کا نعرہ God is dead. ' آج تک برابر فضا میں گونج رہا ہے۔ اس تشریح کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ زندگی کے بارے میں اسلام کا تصور واضح اور صاف ہے۔ اور غیر جانبدار انسان کے لئے زیادہ قابلِ قبول۔ جہاں تک مہارشی کی روحانی تحریک کا تعلق ہے، ہمیں اس کے طریقِ کار سے یقیناً اختلاف ہے لیکن یہ دعویٰ کہ مادیت میں غرق انسان روحانی اقدار کو اپنائے بغیر زندہ نہیں رہے گا، دعویٰ کی حد تک درست ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ روحانی اقدار کا کیا مطلب ہے؟ مغربی انسان جن قدروں کی تلاش میں سرگرداں ہے، کیا وہ مہارشی کے ہاں دستیاب ہو جائیں گی؟

یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے، کہ مہارشی سے دلچسپی کا ایک سبب ذوقِ جستجو بھی ہے۔ ہمارے خیال میں جذبہ تجسس (Curiosity) بعض مسلمانوں کو مہارشی کے پاس لے آیا ہے۔ اور یہ ایک صحت مند رجحان ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ بات طول پکڑ گئی ہے، مہارشی کے تذکرہ میں ہم اختصار سے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں خود اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم نے کہاں تک اپنے دونوں وعدوں کو۔ خدا اور انسان سے کئے گئے وعدے۔ نبھایا ہے؟ کیا یہ بات تو نہیں کہ جب مغربی انسان اپنا بوسیدہ لباس اتار کر اپنی اور روحانی قدروں کی تلاش میں مشرق کی طرف آ رہا ہے، تو ہم اس کے اتارے ہوئے لباس کو زیب تن کرنے کے لئے بے قرار ہیں۔ ذرا اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیے اور دیکھئے کہ تعلیم ہو، یا موسیقی، فن عمارت ہو یا کوئی دوسری صنعت، جس کا تعلق ہماری معاشرت سے ہے، کہیں ہمیں ہمارے اپنے تاریخی سلسلے۔ انسان کا اپنی تلاش میں نکلنا ایک اچھا رجحان ہے، خود فراموشی کو قرآن مجید نے عذاب قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے "جن لوگوں نے خدا کو فراموش کر دیا اس کی پاداش میں خدا نے انہیں اپنے آپ سے بے خبر کر دیا" (سورۃ الحشر ۱۹)۔ یونگ JUNG کی ایک معروف کتاب "انسان اپنی روح کی تلاش میں" Man in Search of his Soul بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے۔

تشخص کی چھاپ نظر آتی ہے؟ غیر ملکی سامراج کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ہمیں اپنی روایات سے بیگانہ کر دے۔ چنانچہ ہم اپنی صحت مند معاشرتی روایات سے دستبردار ہوئے۔ احساس کمتری کا یہ ایک زبردست مظاہرہ تھا۔ اس احساس کمتری سے نجات پانا دراصل آزادی ہے۔

دوسری طرف ہماری روحانی قدریں ہیں، جو ہمارے تمدن کا حسین ترین حصہ ہیں۔ انہوں نے انسانی دلوں کو پاکیزگی، گرمی، سوز، مسرت اور روشنی عطا کی ہے۔ آج مغربی حلقوں میں ہر جگہ جلال الدین رومیؒ اور ابن عربیؒ کے روحانی تجربات کا تذکرہ ہے۔

جہاں انسان مہارشی کے "یوگا" اور "تاملات" سے متاثر نظر آتا ہے، وہاں اس نے صوفیا کے مراقبہ تک بھی اپنی رسائی حاصل کر لی ہے، یہ مراقبہ ہی ہے جسے صوفیا نے "ہر جمالی کا سر چشمہ" قرار دیا ہے۔ک صوفیا کا یہ دعویٰ کہ اللہ کا ذکر انسانی دلوں کو لطیف جذبات اور سچی مسرتوں سے نوازتا ہے، ان کے ذاتی تجربات پر مبنی ہے۔ اسی تجربہ نے جنید بغدادی کی زبان سے کہلوایا تھا: "اگر بادشاہ وقت کو پتہ چل جائے کہ صبح دم مجھے نماز کس لطف و سرور سے نوازتی ہے تو وہ مجھ پر حملہ کر دے"۔ لیکن افسوس ایسی ذکر خدا اور مراقبہ آج ہماری نظر میں "عجمی سازش" بن گئی ہے۔ اب کس سے کہیں کہ ہم نے ان سے قطع تعلق کر کے کیا کھویا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جب مذہب سیاست بن جاتا ہے تو پھر وہ خدا کو ایسی سطح پر اتار لاتا ہے جہاں اس کا تصور انسانی دلوں کو گرمی نہیں دیتا! ہمیں اپنی روحانی اقدار کا از سر نو احیا کرنا چاہیئے، ذکر خدا اور مراقبہ جیسی بلند روایات سے آج بھی ویران دل و دماغ کو آباد کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ہماری رائے یہ ہے کہ ہمیں پوری خود اعتمادی سے مہارشی کی تحریک کا جائزہ لینا چاہیئے اور ایسے ہی مغرب میں موجودہ فکری رجحانات کا، اس سے انسان کے روحانی بحران پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ ش

ک۔ تصوف کی بنیادی کتاب "رسالہ قشیریہ" میں ایک مستقل باب مراقبہ پر ہے۔

ش۔ ملک کے معروف صوفی منش ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد اجمل کا شکریہ ادا کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے جن سے ہم نے اداریہ لکھنے سے قبل اخلاقی و روحانی اقدار پر مفصل بات چیت کرنے کے لئے طویل نشستیں جمائی تھیں۔ ایسے ہی ہم نے مولانا کوثر نیازی سے بھی مکتوب مکہ کے بارے میں بات چیت کی تھی، جس پر ہم ان کے ممنون ہیں۔